صلیبیں مرے دریچے میں: تجزیاتی مطالعہ

ثمینہ نسیم*

ڈاکٹر محمد آصف**

Abstract:

Faiz Ahmad Faiz, a legendary poet was convicted under Rawalpindi conspiracy case in 1951. He remained in prision for four years. During his imprisonment, Faiz fed his loneliness with propinquity. He shared with his wife through his letters published as "Saleebain Meray Dareechay Mein". His letters comprise of myriad of varied discussions between the two. He expressed his loneliness as a bird confined to a corner of the garden, scorned by other birds for losing its fundamental ability to fly. This article is an effort on Faiz's letters which give a new impression of freshness because of his individualistic and internal rhythm, new metaphors, new ways and search for expression.

ایام اسیری کے ۱۳۵ خطوط پر مشتمل ہے۔ ''صلیبیں مرے دریچے میں'' فیض کی نثری کاوشوں میں سے ایک اہم دستاویزی حوالہ ہے۔ ان کے مطالعہ سے جیل کی شاعری کے اہم محرکات، موضوعات، حالات اور جیل میں گزرے ہوئے مختلف اوقات، مختلف لوگوں کے مختلف رویوں پر روشنی ملتی ہے۔ ''صلیبیں مرے دریچے میں'' فیض کی نثر تحریروں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کی نثری تحریریں ہمارے لیے اس لیے بھی اہم ہیں کہ ہم ان کے ذریعے فیض کے اس مزاج کی تفہیم با آسانی کر سکتے ہیں جس کا تجزیہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کیا ہے۔ یہ تحریریں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ایک ایسا تخلیق کار جس کا مزاج نقش فریادی کے دوسرے حصے، دست صبا اور زنداں میں حبسیات کے حوالے سے بنا اور آخر تک قائم رہا۔ فیض کا یہی مزاج نثری تحریروں میں بھی موجود ہے یہ نثری تحریریں (چاہے زنداں سے باہر ہی کیوں نہ ہوں) جن میں وہی وطن اور لیلائے وطن، وہی حبس زدہ معاشرے کا تجزیہ، وہی زنداں میں محبوس

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

مزاحمت پسند تخلیق کار کے نظریات اور اسالیب کی وہی کیفیت موجود ہے جو فیض کے دوسری تخلیقات میں موجود ہیں۔ فیض کی ترقی پسندی، آزادی کی خواہش، تہذیب و نفاست اور زنداں کی وہی وسعت اور زنداں کی آہنی دیواریں، ماحول کی گھٹن کی عکاسی نثری تحریروں میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ فیض کا زندانی لب و لہجہ بھی جا بجا واضح دکھائی دیتا ہے۔ فیض ان خطوط اور ''صلیبیں مرے دریچے میں'' کے حوالے سے ''گزارشِ احوال واقعی'' میں رقم طراز ہیں کہ:۔

> ''اس کتاب میں جو خطوط شامل ہیں وہ تو میں نے ہی لکھے تھے لیکن یہ کتاب نہ میں نے لکھی ہے نہ چھپوائی ہے، اسے لکھوانے اور چھپوانے کے واحد ذمہ دار ادارۂ یادگارِ غالب والے مرزا ظفر الحسن ہیں۔۔۔۔ مجھے ان خطوط کی اشاعت کا ایک ہی جواز نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ چونکہ ہمارے ہاں بہت سے لوگوں کے لیے قید و بند کوئی غیر متوقع سانحہ یا حادثہ نہیں بلکہ معمولاتِ زندگی میں داخل ہے اس لیے بہت ممکن ہے کہ ہمارے شعبۂ عمرانیات میں ''حبسیات'' بجائے خود ایک موضوعِ تحقیق ٹھہرے۔ اس صورت میں شاید خطوط طویل اسیری کے نفسیاتی تجربے کا ایک آدھ پہلو اُجاگر کر سکیں۔''(۱)

'جیل کے خطوط اپنی نوعیت کا تاریخِ ادب میں پہلا تجربہ نہیں، ان خطوط سے مختلف لوگوں کے تجربات، مختلف صورتحال اور ان کی زندگی کے نظریات کا نچوڑ ملتا ہے۔ اختر بلوچ کی سندھ جیل سے ڈائری ایک قیدی کا جیل کی زندگی کے رویوں کا معروضی مطالعہ ہے۔ سارتر نے ''دی وال'' میں ٹارچر سیل کو نفسیات کا نقشہ کھینچا ہے جبکہ ابوالکلام آزاد کے خطوط ''غبارِ خاطر'' میں شاعرانہ شخصیت کو نثر کے اسلوب میں سامنے لائے ہیں۔ فیوچک نے نازیوں کے اذیت خانوں میں گھونسے، لاتیں اور لاٹھیاں کھائیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ پُر امید تھا۔ اس نے نازیوں کا خاکہ اُڑایا اور اس کے پھانسی کے بعد اس کی ڈائری منظرِ عام پر آئی۔

''صلیبیں مرے دریچے میں'' میں فیض کا ایک جہاں آباد ہے۔ اس میں فیض کی مکمل بھرپور شخصیت کا عکس ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یہ خطوط ان دنوں کی یادگار ہیں جب فیض قیدِ تنہائی کے بعد جیل منتقل ہوئے یعنی قیدِ تنہائی اور جیل کی اذیت ناک کرب کی یادیں ہیں۔ فیض کے ان خطوط میں ان کی ذہنی اذیتوں کے پہلو بہ پہلو درواں ہوتے ہیں مگر ان اذیتوں کے باوجود ان کے ہاں شخصیت کا بھرپور اعتماد اور ذاتی زندگی میں آنے والے اچھے دنوں کی امید اور امنگ کا اظہار بھی نئی تازگی کے ساتھ ملتا ہے۔ ان خطوط کے مطالعے سے فیض کی شخصیت کے کئی گوشوں کو سمجھنے کا موقع بھی ملے گا۔ جیل سے لکھے گئے خطوط بہت ہی محتاط حکمت عملی کے تحت لکھے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خطوط سب سے پہلے سینسر بورڈ چیک کرتا تھا۔ بالکل ایسے ہی جب ایلس کے خطوط آتے تو وہ بھی پہلے چیک ہوتے تھے۔ ''ایلس نے جو خطوط فیض کو لکھے وہ بعد میں ''ڈیر ہارٹ ٹو فیض ان پریزن'' کے نام سے انگریزی زبان میں شائع ہوئے۔ ان خطوط کو شائع کرنے کا خیال سب سے پہلے ایلس کے ذہن میں آیا۔ کیونکہ ایلس جیل سے لکھے گئے تمام

خطوط کو سنبھال کر رکھتی تھیں۔ان خطوط میں صرف ذاتی باتیں نہیں، بلکہ دنیا کے حالات پر بھی تبصرہ موجود ہے۔جب ایلس نے ان خطوط کی اشاعت کے بارے میں فیض سے رائے معلوم کی تو فیض نے ۱۱/ مارچ ۱۹۵۳ء کے ایک خط میں اس تجویز کا جواب میں لکھا۔

> ''خطوط کی اشاعت کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو تو اچھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کتابی صورت میں یہ بالکل احمقانہ معلوم ہوں گے۔بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں کسی غیر جانب دار آدمی سے پوچھو۔کاش ایسے قصوں کا فیصلہ کرنے کے لیے اے۔ایس۔پی یہاں موجود ہوتے۔ بہرصورت اگر انہیں چھپوانے کا فیصلہ کرو تو یہ اردو میں چھپنے چاہیں۔اگر میں بہت احتیاط اور سوچ بچار سے نہ لکھوں تو ہماری انگریزی تحریر بہت آرائشی اور گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے۔''(۲)

مرزا ظفر الحسن نے خطوط مہینوں اور سالوں کی ترتیب سے شائع کیے ہیں اور صفحہ ''ع'' پر ان کا گراف بھی بنا دیا ہے جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حیدر آباد جیل سے لکھے گئے خطوط ۷/ جون ۱۹۵۱ء سے ۲۵/ جون ۱۹۵۳ء تک ایلس کو ملے جن کی تعداد ۹۲ ہے۔۱۹۵۳ء میں کراچی اور جناح ہسپتال سے بھی لکھے گئے اور ان کی تعداد ۸ ہے۔ منٹگمری جیل سے جو ۳۵ خطوط لکھے گئے ان میں جیل کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے اور یوں سب ملا کر ۱۳۵ خطوط بنتے ہیں ان کے علاوہ آخر میں اپنی دونوں بیٹیوں چھیمی اور منیزہ کے نام خطوط کے اقتباسات بھی شامل کئے گئے ہیں۔

فیض نے اپنے خطوط میں زیادہ تر اپنے گھر، اپنے جیل کے حالات، اپنے دوست احباب کے علاوہ دنیا کے بارے میں فکر مند دکھائی دیتے ہیں۔کہیں ایلس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو نہیں ایلس کی ہمت بڑھاتے ہیں کبھی خط دیر سے لکھنے کی معذرت کرتے ہیں تو کبھی موسموں کا ذکر کرتے ہیں جیل میں فیض کو قلم و کاغذ میسر نہ تھا وہ اپنی یادداشتوں کو اپنے ذہن میں محفوظ کرتے رہے۔

خط کی روشنی میں دیکھیں تو یہاں فیض کا حوصلہ مندانہ جذبہ دکھائی دیتا ہے۔انہیں زندگی ہر صورت میں خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ڈاکٹر اشفاق اعظمی فیض کے خطوط کے حوالے سے اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''زنداں میں فیض کو خط لکھنے کی پوری آزادی نہیں تھی۔وہ اپنے خیال کا کھل کر اظہار نہیں کر سکتے تھے کوئی بھی خط سنسر کے بغیر باہر نہیں جا سکتا تھا۔اس لیے ان خطوط میں فیض کی زندگی کی ادھوری سچائی ملتی ہے۔فیض کی شاعری کا ایک بڑا حصہ جیل خانے کی دیواروں کے پیچھے لکھا گیا ہے۔چنانچہ شاعری کے صحیح پس منظر کو سمجھنے کے لیے ان خطوط کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کسی بھی شاعر کی اصل تفہیم اس کے الفاظ کی نشست و برخاست اس کا استعاراتی اور تشبیہاتی نظام اور لفظوں کے درمیان ان کہی کہانیوں اور جذباتی واردات کے بیان سے ہوتی ہے لیکن جو چیز اس مفہوم میں سب سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کر سکتی ہے وہ اس کے پس منظر کی تلاش کا عمل ہے۔فیض کی حبسیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے ان خطوط کو ایک طرح سے لازم و ملزوم سمجھنا چاہیے۔

ان خطوط میں جابجا فلسفیانہ خیالات،عمرانی حوالے،کلاسیکی کتابوں کے تذکرے،نزولِ شعر کی کیفیات اور شعر وادب کے بارے میں ان کے خیالات بکھرے ہوئے ہیں اور یہی ان خطوط کو دلچسپ اور قابل مطالعہ بناتے ہیں۔فیض اپنی شاعری کے حوالے سے ایلس کو لکھتے ہیں کہ:۔

''گرفتاری کے بعد میں نے ابھی ابھی چھٹی نظم ختم کی ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ گزشتہ تین برس میں جتنا کچھ لکھا تھا۔ ان تین ماہ میں اس سے دوگنا لکھ چکا ہوں۔''(۳)

قید و بند کی صعوبتوں کو فیضؔ نے ہمیشہ آزمائش سے تعبیر کیا ہے جیل میں فیضؔ پر ہونے والے مصائب وآلام کی انہیں فکر نہیں بلکہ اپنے سے زیادہ وہ اپنی بیوی (ایلس) اور دونوں بیٹیوں کے لیے فکر مند دکھائی دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:۔

''موسم گرما ہو چلا ہے لیکن زیادہ تکلیف دہ نہیں ہے۔لاہور میں تو آگ برس رہی ہوگی بچے اسے کیسا محسوس کرتے ہیں۔اُن کی خیریت کا حال لکھو اور یہ بھی بتاؤ کہ تمہاری آمدنی اور اخراجات کی کوئی صورت بن گئی ہے یا نہیں۔مجھے معلوم ہے کہ تمہارا ہاتھ بہت تنگ ہوگا لیکن ہم نے اس سے زیادہ تنگ دستی کے دن بھی دیکھے ہیں اور جیسے وہ گزر گئے یہ بھی بیت جائیں گے۔''(۴)

گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ فیض نے پنڈی سازش کیس کو محض ناٹک اور حکمرانوں کی چال کہا ہے۔یہ کوئی کیس نہیں تھا بلکہ بات کا بتنگڑ بنایا گیا۔مقدمے کی طوالت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''یہ مقدمہ تو شیطان کی آنت ہے۔نہ جانے کب تک چلے اس لیے تم اپنے آرام اور پیسوں کے مطابق ملاقاتوں پر راش مقرر کرو۔بچوں کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے لیکن تمہارے یا اُن کے آرام کی قیمت پر نہیں۔''(۵)

فیض جیل میں ملنے والی رعاتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

''دو دن پہلے ہمیں کچھ اور رعایتیں دی گئی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ اب ہم اگر چاہیں تو باہر کھلے میں سو سکتے ہیں۔پہلی رات تو میں نے بارک کے اندر ہی گزار دی۔ دل میں اب بھی کچھ نازک مقام ایسے ہیں جن سے کوئی یاد چھو جائے تو دُکھنے لگتے ہیں۔۔۔۔ہمیں ایک ریڈیو سیٹ بھی مل گیا ہے۔آرام کرسی،میز،لیمپ اور کچھ ساز و سامان کا بھی وعدہ ہو چکا ہے۔اب تو ہم میں سے بعض کو یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ یہاں سے نکلے تو یہ معیار زندگی کیسے قائم رکھ سکیں گے۔''(۶)

یہاں فیض کے لہجے میں ذرا طنز بھی ہے اور جیل کے ماحول کی گھٹن کا تذکرہ بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔

ایلس نے فیض کو خط میں گھر کی تنہائی کا ذکر کیا۔اس کے جواب میں فیض لکھتے ہیں:۔

> ''تم نے اپنے گھر کی تنہائی کا ذکر کیا ہے۔میں جانتا ہوں کہ یہ تنہائی کتنی کڑی اور جدائی کے یہ لمحے کتنے گراں ہیں ان کو دل سے دھویا تو نہیں جا سکتا لیکن ان کا بوجھ اس تصور سے کم ضرور کیا جا سکتا ہے کہ بیتے ہوئے دن کیسے اچھے تھے اور آنے والے دن کتنے بہتر ہونگے میں تو یہی کرتا ہوں۔جب سے جیل خانے کا دروازہ بند ہوا ہے میں کبھی ماضی کے پیرہن کو تار تار کر کے اسے مختلف صورتوں میں دوبارہ بُنتا رہتا ہوں اور کبھی آنے والے دنوں کو دامِ تصور میں مقید کر کے ان سے اپنی مرضی اور پسند کے مختلف مرقعے ترتیب دیتا رہتا ہوں۔جانتا ہوں کہ یہ بیکار سا شغل ہے۔اس لیے کہ خوابوں کو حقیقت کی زنجیروں سے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔''(۷)

فیض کے اس خط میں جہاں انہیں گھر کی تنہائی کے ذکر نے بے تاب کر دیا وہاں ساتھ ہی اُنہیں اپنا کرب بھی محسوس ہونے لگا ہے۔گھر والوں سے دور جیل میں بند ایک قیدی کی زندگی کیا ہوسکتی ہے۔وہ نہ تو اپنوں کے دکھ درد میں شریک ہوسکتا ہے اور نہ ہی اُس کے اپنے اس کا دُکھ درد بانٹ سکتے ہیں اور یہی بات فیض کے لیے اضطراب کا باعث بن گئی ہے۔قید میں فیض کے ہاں رجائیت کا عنصر بھی دکھائی دیتا ہے۔

> ''جو دن بھی گزرتا ہے اس سے نجات کی منزل کا فاصلہ اور کم رہ جاتا ہے چنانچہ اس آزمائش کے خاتمے تک محض صبر و تحمل درکار ہے۔''(۸)

فیض جیل میں اپنی مصروفیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

> ''ہم نے ایک چھوٹا سا باغ سجالیا ہے اور ہمارے صحن کا ایک کونہ مختلف رنگوں سے دہک رہا ہے۔یہاں گنبدے کے پھول ہیں۔بسنتی، سُنہری اور ادغوانی، پھولوں کی بیلیں ہیں۔گلابی کاسنی اور گیروے رنگ کی کچھ گلاب کے پودے بھی ہم نے لگائے ہیں۔اگرچہ ان میں ابھی پھول نہیں نکلے۔''(۹)

فیض کو ہر وقت ایلس کی قربانیوں کا احساس تھا جو جن کٹھن حالات کا مقابلہ حوصلہ مندی اور جرأت سے کر رہی تھیں یہ صرف فیض ہی جانتے تھے۔

> ''شائد وہ دن زیادہ دُور نہیں جب میں تمہارے کاندھوں سے یہ صلیب ہٹا سکوں اور تم آرام کر سکو۔میں جانتا ہوں کہ تمہارا بوجھ بٹانے والا بھی کوئی نہیں ہے اتنا بھی کہ اِن مشکلات میں تمہیں کوئی مشورہ ہی دے سکے لیکن مجبوری میں آدمی اس کے سوا کر ہی کیا سکتا ہے کہ جی کڑا کر کے سب کچھ برداشت کئے جائے حتیٰ کہ امتحان ٹل جائے۔۔۔۔میں تمہارے ساتھ ہوں، اپنا سر اُونچا رکھو۔''(۱۰)

گوکہ فیض قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے اور اپنے گھر والوں سے دور تنہائی کا شکار تھے مگر وہ اپنے گھر، بیوی اور بچوں کے حالات سے بے خبر نہیں تھے۔ ان کا جسم قید میں تھا مگر ذہن ہر وقت اپنوں کی فکر میں رہتا تھا۔ روز بروز بڑھتے ہوئے گھریلو اخراجات نے ایلس کو پریشان کر رکھا تھا۔ آخر ایلس کو ''پاکستان ٹائمز'' میں نوکری مل گئی۔ نوکری کے بعد گھر کے حالات کچھ بہتر ہو گئے۔ فیض بھی ایلس کو اس حوالے سے مشورے دیتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> ''تمہارے عورتوں اور بچوں کے صفحے کے لیے کچھ تجاویز بہت دن ہوئے تمہیں بھیج چکا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عورتوں کے صفحے میں بلکہ سارے اخبار میں ایک چیز کی کمی ہے اور وہ ہے حقائق اور اعداد و شمار کا عنصر۔۔۔ تو میری تجویز یہ ہے، عورتوں کی معاشرتی زندگی کے کسی ایک پہلو کو لے لو۔ مثلاً صحت۔۔۔ کتنے نومولود اور کتنی زچائیں طبی امداد محروم رہتی ہیں۔ اسی طریقے سے تعلیم کے مسئلے پر بحث کی جا سکتی ہے۔ ناخواندہ عورتوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔۔۔ زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ تعلیمی سہولتوں کی کمی کی وجہ سے ہم پر نسل کے کتنے حصے کو جہالت اور ناخواندگی پر مجبور کرتے ہیں۔۔۔۔ تمہارے بچوں کی انجمن کے بارے میں ایک تجویز ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی معقول رہنما کی نگرانی میں ان کے لیے مقامی تعلیمی سیر و تفریح کا پروگرام بنایا جا سکے۔''(۱۱)

فیض کی ہمت و حوصلے کی دلیل یہ خط جس میں ظاہر ہوتا ہے کہ فیض نے نہ صرف اپنا بلکہ ایلس کا سر بھی کبھی جھکنے نہیں دیا۔

> ''تمہارا گزشتہ خط اتنا اُداس تھا کہ دل کچھ سہم سا گیا اور میں نے جواب اس خیال سے روک لیا کہ کہیں میں بھی ایسی ہی افسردہ باتیں نہ لکھ دوں۔ اب تمہارا دوسرا خط آیا۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ جب دل میں درد و کرب کا طوفان بپا ہے تو سر اتنا بلند ضرور رہنا چاہیے کہ مستقبل میں امید کی کرن نظر آ سکے۔ تم اپنے آنسو بچا کر نہ رکھو صرف اپنا سر نیچا نہ ہونے دو۔ اس لیے کہ طوفان گزر جائے گا، بادل کھل جائیں گے۔''(۱۲)

قید خانہ جسمانی اذیت کے ساتھ ساتھ ذہنی اذیت کا باعث بھی بنتا ہے۔ اپنوں سے دوری اور ان کے لیے کچھ نہ کرنے کا احساس فیض کے لیے جان لیوا تھا۔ فیض نے اپنے اشعار کے ذریعے کسی حد تک ایلس کی مالی امداد بھی کی لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ ناکافی ہے۔ یہ احساس اندر ہی اندر فیض کو کھائے جاتا تھا۔ جیل میں گھریلو مالی حالات کا فکر تو فیض کو تھا ہی لیکن کچھ ایسے گہرے صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑا جو فیض کے لیے ناقابلِ برداشت صدمات تھے۔ مثلاً فیض کے بڑے بھائی جو فیض کے لیے تن آور اور گھنے درخت کی چھاؤں کی مانند تھے۔ انہوں نے فیض کا

اس وقت ساتھ نبھایا جب حکومتی پروپیگنڈہ عروج پر تھا۔ وہ جیل بھی فیض سے ملنے اور دلجوئی کرنے آتے رہتے تھے مگر اس بار جب وہ مقدمے کے ختم ہونے کی خوشخبری سُناتے فیض کے لیے سویانِ روح تھی۔ بھائی کی بے وقت موت نے فیض کو گہرے صدمے سے دوچار کیا۔ اس صدمے کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے ایلس کو خط میں لکھا کہ:۔

> ''آج صبح میرے بھائی کی جگہ موت میری ملاقات کو آئی جب لوگ بہت مہربانی سے پیش آئے یہ لوگ میری زندگی کی عزیز ترین متاع، مجھے دکھانے لے گئے۔۔۔۔ میں نے اپنے غم کے غرور میں سر اونچا رکھا اور کسی کے سامنے نظر نہیں جھکائی، یہ کتنا مشکل، کتنا اذیت ناک تھا صرف میرا دل جانتا ہے۔۔'' (۱۳)

اسی طرح ڈاکٹر رشید جہاں کے انتقال پر ایلس کو لکھتے ہیں:۔

> ''رشیدہ کے ماسکو میں مرنے کی خبر کل پڑھی۔ اگر میں جیل سے باہر ہوتا تو شاید زار و قطار روتا لیکن اب تو رونے کو آنسو ہی باقی نہیں رہے۔ اس حادثے کا سُن کر رونے دھونے کے بجائے دل پر عجیب مُردنی سی چھائی رہی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اب کے موت رات کے رہزن کی طرح اچانک اور بے اطلاع نہیں آئی تھی۔ یا شاید اپنے لاشعور میں یہ خیال بھی ہو کہ مرنے والی کی بہادر روح بیکار اور بزدلانہ غم واندوہ کو پسند نہیں کرے گی۔ جب سے اس کی مُہلک بیماری کا سنا تھا دل میں شدت سے تمنا تھی کہ کاش وہ ہمارے باہر آنے تک زندہ رہے۔۔۔۔ افسوس کے موت کے خلاف اس کی طویل جنگ اتنی جلد ختم ہوگئی۔'' (۱۴)

مندرجہ بالا خطوط میں فیض کا مخصوص رویہ دکھا دے رہا ہے یعنی فیض اپنے غموں کو ہنرمندی سے پی جانے کے ماہر نہیں وہ اپنا غم کسی پر عیاں ہونے ہی نہیں دیتے۔ کسی کی تسلی کے منتظر نہیں بلکہ اپنا سر ہمیشہ بلند رکھتے ہیں۔ اپنے سر کو کسی کے سامنے جھکنے نہیں دیتے۔ چاہے وہ غم ہوں یا حکومتی پروپیگنڈہ یا پھر جیل کے مصائب و آلام، فیض نے ہمیشہ کر اُٹھا کر جینا سیکھا ہے اور یہی سبق انہوں نے ایلس کو بھی بار بار دیا ہے کہ اپنی خودداری کو ہمیشہ بلند رکھو۔

> ''جو کتابیں میں نے منگوائی تھیں وہ عام حوالے کی کتابیں ہیں یعنی کوئی فارسی اردو لغت اور عروض پر کوئی سی کتاب''

> ''دوسری نشاط انگیز بات نئی کتابیں ہیں، کچھ وکٹر نے بھیجی ہیں کچھ اور لوگوں نے ابھی ابھی ایک پیٹ میں بَل ڈال دینے والی کتاب ختم کی ہے۔ ایسی ظریفانہ اور مزاحیہ تصنیف بہت زمانے سے نہیں دیکھی۔ کتاب کا نام ہے۔'' The Horse's Mouth'' مصنف Joyce Carey ہیں اور پین گوئن نے چھاپی ہے۔ اگر کہیں سے حاصل کر سکو تو ضرور پڑھو نئے لکھنے والوں میں بہت کم ایسے ہوں گے جنہیں فرنگی

عوام کی روزمرہ زبان اوراس کی چھوٹی چھوٹی باریکیوں پر اتنا عبور ہو۔''(۱۵)

فیض جیل اور موسم کے بارے میں ایلس کو لکھتے ہیں کہ:۔

''جیل خانے کی دنیا باقی دنیا سے الگ تھلگ ایک دنیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک طرح کی ''اگلی دنیا'' ہے۔''، ''سردیاں شروع ہو چکی ہیں اور اُجاڑ بے مقصد دن ہماری سرد اور کنگ دیواروں پر اپنا حُسن نچھاور کرتے ہوئے تیزی سے گزر رہے ہیں۔ان سے مجھے تمہارا اور تمہاری تنہائی کا خیال آتا ہے کیونکہ میں اپنے زنداں میں غالبًا اتنا اکیلا نہیں ہوں جتنی تم اپنی آزاد دنیا میں ہو۔

''جیل خانے کی زندگی میں بہت سی چھوٹی چھوٹی خودغرضیاں وافر اور نمایاں ہو جاتی ہیں۔''

''تمہارا یوم آزادی نمبر بہت اچھا ہے میں نے اسے بہت ناقدانہ نظر سے دیکھا لیکن اصلاح کی کوئی گنجائش نظر نہیں آئی۔''

''کسی دن تو یہ دیواریں گر جائیں گی اور تن و دماغ کی آزادی دوبارہ ہاتھ آجائیگی جب تک اس کے سوا چارہ نہیں کہ انتظار کریں اور اس خیال سے تسکین حاصل کرتے رہیں کہ اپنے جسم وتن سلامت ہیں اور اپنی رگوں میں زندگی کی جو لہر رواں ہے آخر ایک دن طوق وسلاسل کے انبار پر غالب آجائے گی۔ یہ زنجیریں کیسی ہی قوی اور گراں کیوں نہ ہوں بہرصورت مردہ اور بے جان چیزیں ہیں۔''

''آج صبح چاند کی تیز روشنی چہرے پر اس طرح پڑی کہ آنکھ کھل گئی۔جیل کی گھڑیال نے ساڑھے چار بجائے۔ میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔۔ میں اُٹھ کر برآمدے میں آبیٹھا اور صبح کی آمد کا نظارہ کرنے لگا۔ پہریدار بدے تو جیل کے صدر دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ دور کہیں زنجیروں اور چابیوں کی جھنکار سنائی دی اور مختلف فولادی دروازوں کے جبڑے اس طرح کھلنے اور بند ہونے لگے جیسے وہ آخر شب کی تاروں بھری تاریکی کو جلد جلد چبا رہے ہوں۔ پھر ایک خواب آلود حسینہ کی طرح ہلکے سے صبح کی ہوا بیدار ہوئی۔ آسمان دھیرے دھیرے پیلا ہونے لگا اور ستارے موتیوں کے گرداب بن کر تہہ و بالا ہونے لگے۔ میں بیٹھا رہا اور دیکھتا رہا اور کئی طرح کے خیال اور یادیں دل میں آتی رہیں جاتی رہیں۔''(۱۶)

پنڈی سازش کیس مقدمے کا فیصلہ ہونا تھا۔ رہائی کی امید تھی مگر فیصلہ فیض کے خلاف ہوا اور انہیں دو سال کی مزید قید کی سزا سنائی گئی۔ یہ خبر خود فیض کے لیے سوہانِ روح تھی لیکن پھر بھی ایلس کو تسلی دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اب تک بُری خبر تمہیں پہنچ چکی ہوگی اس سے اپنا دل زیادہ پریشان نہ ہونے دو جیسے ہم نے پچھلے دو سال گزار لیے یہ

بھی گزار لیں گے۔

فیض کا مندرجہ ذیل شاید فیض کی دلی کیفیت اور جیل سے متعلقہ تمام حالات و واقعات کی عکاسی کرتا ہے۔ جہاں اپنی مرضی سے زندگی گزارنا تو دور کی بات انسان اپنی مرضی سے سانس بھی لینے سے قاصر ہے۔ جہاں ہنسنا، بولنا، رونا بھی اپنی مرضی سے نہیں ہوتا۔ جیل جہاں سب قیدیوں کا غم مشترکہ ہے ان کے دُکھ سانجھے ہیں۔ ان پر گزرنے والی تمام وارداتیں ایک سی ہیں۔ درد کسی دل میں ہوتا ہے تو کڑہاتا کوئی اور ہے۔ چوٹ کسی کو لگے تڑپتا کوئی اور ہے سب ہی کی صبح اور شام بے معنی، بے نور ہے۔ اپنوں سے جدائی کا غم سب کو اندر ہی اندر گھُن کی مانند کھائے جاتا ہے۔ فیض لکھتے ہیں کہ ''ہم جیل خانے میں کیا کر رہے ہیں ہم چور ہیں نہ سیاسی لیڈر اور ہمیں یہاں رکھنے میں کس کا بھلا ہو رہا ہے۔

محبت اور روشنی اور مسکراہٹ کی تلاش، اَن گنت انسانی جسموں کے درد و شجاعت، عالی ظرفی اور کلفت و آلام سے یک جان ہونے کا احساس اور پھر وہ لمحے آتے ہیں جب غلیظ، زرد دیواروں، دھول اور مٹی، زنجیروں، چہروں، وردیوں اور ان کے لعنتی چہروں پر نظر پڑتی ہے جسے جیل خانہ کہتے ہیں تو یکا یک کلیجہ مُنھ کو آنے لگتا ہے۔ موج در موج کراہت اور بیزاری کا سیلاب اندر سے اُٹھتا ہے جس میں اپنی ذات اور باقی ہر چیز غرق ہو جاتی ہے۔۔۔ جیل کی دیواریں اور پہریدار اور وردیاں سب جھوٹ ہیں سب غیر حقیقی ہیں اسی صورت سے دل یہ بھی جانتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک لحد میں سو جانے کے بعد بھی جینے والوں کی ملکیت اور ان کے رنج و راحت میں دخیل رہتا ہے۔ جیل میں محرومیاں بہت ہیں۔'' **(۱۷)**

عید کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

''کل صبح عید کا دن تھا اس بار یہ دن بہت خاموشی اور تنہائی میں گزرا۔'' **(۱۸)**

مارچ ۱۹۵۵ء کو لاہور ہائی کورٹ نے فیض کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ظاہر ہے ایلس اور فیض کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کوئی لمحہ ہو ہی نہیں سکتا تھا چنانچہ ایلس رہائی کا پروانہ لے کر لاہور سے منٹگمری پہنچیں لیکن کاتب تقدیر نے کچھ اور ہی لکھا تھا فیض کو جیل کے اندر ہی دوبارہ سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۳۲ سے ۱۳۵ تک خط فیض نے سیفٹی ایکٹ کے اسیر کی حیثیت سے ایلس کو لکھے۔ ایلس کو مایوس تنہا ہی لوٹنا پڑا جس پر فیض نے انہیں لکھا کہ:۔

> ''کاش میں تمہاری پریشانی کا بوجھ کم کرنے کے لیے کچھ کر سکتا سوائے پیار بھیجنے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتا اور پیار میں شب و روز ارسال کرتا ہوں۔ اس دعا کے ساتھ کہ انصاف اور نیکی دنیا میں پلٹ آئیں اور دُکھی دلوں کی دلجوئی کا سامان بہم پہنچائیں جب تک صبر کرو مری جان اور زیادہ پریشان نہ ہو۔ میں جانتا ہوں یہ کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔'' **(۱۹)**

''صلیبیں مرے دریچے میں'' آخر میں چھیمی اور منیزو کے نام خطوط بھی شامل ہیں جہاں فیض بچوں کو بڑی محبت اور پیار سے بہادری کا درس دیتے دکھائی دیتے ہیں اور ساتھ ہی بچوں کے دلجوئی کے لیے لطیفے بھی لکھ بھیجے ہیں۔فیض لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ہم راضی خوشی ہیں امی نے کہا ہے کہ تم دونوں بہت اچھی بچیاں ہو یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی۔۔۔۔جب ہم گھر آئیں گے تو تم سے مل کر خوب مزے کریں گے۔امید ہے کہ ہم جلد آجائیں گے تم اپنی امی کا ہاتھ بٹاتی رہو اور زیادہ شرارت نہ کرو۔'' اگلے خط میں فیض لکھتے ہیں کہ ''تمہارے پیارے خط کا شکریہ۔۔۔۔مجھے امید ہے کہ تم بہت اچھے اور بہادر ہو گے۔۔۔تھوڑے دنوں میں امی آئیں گی، تم بھی آؤ گی، پھر ہم خوب باتیں کریں گے۔امی تمہیں کراچی بھی لے جائیں گی۔وہاں سمندر بھی ہے جہاز بھی ہیں اور چڑیا گھر بھی ہے۔میں نے سُنا ہے وہاں مگر مچھ بھی ہیں۔''(۲۰)

ان کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ ایک دردمند اور دُکھ جھیلنے والے سیدھے سادے انسان ہیں۔ایک عالم اور دانشور کی طرح خود کو مصروف بھی رکھتے ہیں اور تفریحات و مشاغل میں بھی اپنا دل بہلاتے ہیں۔وہ اُداس بھی ہو جاتے ہیں اور اپنی شریکِ حیات کا حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔احساس تنہائی کے باوجود ان کی شخصیت کی گہری تہوں میں ایک مضبوط کردار انسان اور ایک گہری متخیلہ رکھنے والا شاعر اجاگر ہوتا ہے۔''(۲۱)

آخر میں رضیہ سجاد ظہیر کا ایک خط جو انہوں نے دوران قید سجاد ظہیر کو لکھا۔لکھتی ہیں کہ:۔

> ''کسی دن جب آنے والی نسلیں تم لوگوں کی باتیں کریں گی تو نہ جانے انہیں کبھی میرا ایلس کا بھی خیال آئے گا؟ ہم نے پورا راستہ تمہارا ساتھ دیا ہے تم ایک قدم آگے اور ہم ایک قدم پیچھے۔تم مُڑ مُڑ کر تسلی کے لیے ہماری طرف دیکھتے رہے اور ہم جواب میں تمہاری طرف دیکھتے رہے اور ہم جواب میں تمہاری طرف مسکراتے رہے اگرچہ ہمارے دل درد سے چلا رہے تھے۔''(۲۲)

فیض کے خطوط جنہیں ایلس نے ۲۰ سال تک بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھا اور خطوط کو چھپوانے کا خیال بھی ایلس ہی کو آیا۔چنانچہ اس کتاب کی کامیابی کا سہرا بھی ایلس ہی کے سر ہے۔خطوط کو تاریخ وار سنبھالنا (خود تاریخ درج کیا کرتی تھیں) اور انہیں اشاعت کرانا کوئی معمولی کام نہ تھا مگر ایلس نے اسے بھی بخوبی نبھایا۔

میرا خیال ہے کہ جب جب ہم فیض کا مطالعہ زنداں کے حوالے سے کریں گے تو یہ ایلس کی قربانیوں اور اس کے جذبہ ایثار کے بغیر ممکن ہی نہ ہوگا اگر ایلس فیض کا ساتھ نہ نبھاتی تو آج فیض فیض بھی نہ ہوتے اور جہاں تک فیض کی حبسیہ شاعری کا تعلق ہے تو یہ خطوط حبسیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے لازم و ملزوم ہیں کیونکہ ان خطوط میں جا بجا فیض کے فلسفیانہ خیالات، کلاسیکی کتابوں کے تذکروں کے علاوہ نزول شعر کی کیفیات کا ذکر بھی ملتا ہے۔جیل میں

گزرتے ہوئے وقت اور گزرتے موسموں کے ذکر نے بھی انہیں خوبصورتی عطا کی ہے۔فیض کے فنکارانہ ذہن اور قلم نے مل کر خطوط کو دلچسپ اور قابلِ مطالعہ بنایا۔آخر میں رضیہ سجاد ظہیر کی بات دہراتی ہوں کہ آنے والی نسلیں فیض کے ساتھ ساتھ ایلس کو بھی یاد کریں گی کیونکہ وہ فیض کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتی رہیں اگر فیض میں صبر و تحمل کا مادہ موجود تھا تو ایلس میں بھی کچھ کم نہ تھا۔خطوط سے صاف ظاہر ہے کہ ایلس نے تنہا زندگی کی تگ و دو کی۔فیض کے ساتھ ساتھ یہ خطوط ایلس کی قربانیوں کا منہ بولتا ثبوت بھی ہیں۔

''ان کی نثر ان کے خطوط میں ایک بہت بڑی جست نظر آتی ہے۔''**(۲۳)**

لیکن دراصل ان خطوط سے دو چیزیں بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ اس زمانے کے مجموعی حالات کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر (ہر چند کہ سنسر کی پابندیوں کی وجہ سے مکمل اظہار نہ ہو سکا) سامنے آتا ہے اور دوسرے یہ کہ ان کے ذہنی ارتقاء کی تصویریں کچھ زیادہ رنگین ہو جاتی ہیں۔کچھ دوستوں کے بارے میں، کچھ کتابوں کے بارے میں، کچھ ان کے ادبی منصوبوں کے بارے میں، کچھ جیل میں عام قیدیوں پر گزرنے والے واقعات کے بارے میں، کچھ اس درد کے بارے میں جو ایک باپ کے دل میں اپنی بچیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پلتا اور بڑھتا ہوا نہ دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔کچھ ان دوستوں کے بارے میں جو زمانے کی ہوا کے ساتھ بدل گئے کچھ ان محبت کرنے والوں کے بارے میں جو زنداں کی سلاخوں کے دوسری طرف بھی اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے لیے ہوئے کھڑے ہیں کچھ اس شریک سفر کے بارے میں جو ان نامساعد حالات کے باوجود ہمت نہیں ہارتی۔غرض یہ کہ ایک شخصیت کے ذاتی حوالوں سے ایک پودا دور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فیض احمد فیض، ''صلیبیں مرے دریچے میں'' (مرتبہ) ظفر الحسن، مرزا، پاک پبلشرز لمٹیڈ، کراچی س ن، ص ر ہ

۲۔ عبداللہ ملک، ''جو مر نہ سکے''، مکتبہ الجدید، لاہور، س ندارد، ص ۴۵

۳۔ فیض احمد فیض، ''صلیبیں مرے دریچے میں''، ص ۹

۴۔ ایضاً، ص ۱،۲

۵۔ ایضاً، ص ۳

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ص ۱۰

۸۔ ایضاً، ص ۱۴،۱۵

۹۔ ایضاً، ص ۲۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۷۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۳،۱۲۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۷۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۹،۱۳،۸۴،۹۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۲

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۰۸،۱۰۹،۱۱۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷-۱۲۹

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰۰،۲۰۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۰۶-۲۰۸